مالیات کو شفاف بنائیں
اور برکتیں پائیں

مسجد اور مدرسے کا
مالیاتی نظام

اکابرین کے واقعات اور فقہی احکام

تصویب وتقریظ

مولانا مفتی محمد نوید خان حفظہ اللہ
استاذ الحدیث و مفتی جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور
متخصص جامعہ دار العلوم کراچی

تالیف وتخریج

محمد طارق محمود
مدرس و معین مفتی جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور

الغنی لاہور
للطباعة والنشر والتوزیع
+92 304 4199604

مالیات کو شفاف بنائیں
اور برکتیں پائیں

مسجد اور مدرسے کا

مالیاتی نظام

اکابرین کے واقعات اور فقہی احکام

تصویب وتقریظ

مولانا مفتی محمد نوید خان حفظہ اللہ

استاذ الحدیث و مفتی جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور
متخصص جامعہ دار العلوم کراچی

تالیف وتخریج

محمد طارق محمود

مدرس و معین مفتی جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور

الغنی لاہور
للطباعۃ والنشر والتوزیع
+92 304 4199604

اللّٰهم
صل علی محمد و علی آل محمد
کما صلیت علی ابراهیم و علی آل ابراهیم
إنك حمید مجید
اللّٰهم
بارك علی محمد و علی آل محمد
کما بارکت علی ابراهیم و علی آل ابراهیم
إنك حمید مجید

نام کتاب ---------------- مسجد اور مدرسے کا مالیاتی نظام

مصنف ---------------- مفتی محمد طارق محمود مدظلہ

طباعت ---------------- اول

تعداد ---------------- ۱۱۰۰

ترتیب وتزئین ---------------- اسامہ عمران

ناشر ---------------- الغنی پرنٹر لاہور

ملنے کا پتہ ---------------- جامعہ عبداللہ بن عمر گجومتہ لاہور

رابطہ ---------------- ۰۳۲۱-۴۶۶۰۷۷۵

فہرست

۲: فنڈ خرچ کرنے کا مرحلہ ---------------------- ۲۱

تقریظ: حضرت مولانا مفتی نوید خان صاحب مد ظلہ

استاذ الحدیث و صدر مفتی جامعہ عبد اللہ بن عمر گجو متہ لاہور

الحمد لله رب العالمين،والصلاة والسلام على رسوله الكريم محمد وعلى آله واصحابه اجمعين.

مسجد اور مدرسہ وقف ادارے ہیں۔کتب فقہ و فتاویٰ میں کتاب الوقف کے عنوان سے مستقل ابواب ہیں۔جس میں حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اوقاف کے انتظام، انصرام، آمدن، مصارف وغیرہ سے متعلق احکام بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔ حقیقت یہ ہے جہاں ایک طرف مسجد و مدرسہ کی اہمیت اور فضائل ہیں وہاں دوسری طرف ان اوقاف کی تولیت ایک حساس معاملہ ہے۔جن حضرات کو اللہ تعالیٰ ان اوقاف کی تولیت سے نوازتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ ان سے متعلق احکام و مسائل کا بھرپور علم رکھیں اور اہل علم سے مشاورت رکھیں۔زیر نظر رسالہ "مسجد اور مدرسے کا مالیاتی نظام" جو در حقیقت مسجد و مدرسہ کے مختلف امور جیسے آمدن، مصارف اور مالی معاملات سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا فتویٰ ہے، یہ مسجد و مدرسہ کے احکام و مسائل جاننے کی ایک کڑی ہے۔ جس کو ہمارے فاضل دوست، ساتھی رفیق دار الافتاء و مدرس جامعہ عبد اللہ بن عمر، گجو متہ لاہور حضرت مفتی محمد طارق محمود صاحب مد ظلہم نے بڑی تفصیل سے تحریر کیا ہے۔

فاضل مصنف نے اس میں مسجد اور مدرسے کے مالیاتی نظام سے متعلق بنیادی احکام ذکر کئے ہیں اور ان کے مالیاتی نظام کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا ہے اور آخر میں مدارس کے مالی نظام سے متعلق اکابرین رحمہم اللہ تعالیٰ کے کچھ ملفوظات وواقعات جمع کئے ہیں۔(رسالہ کی اشاعت میں اکابرین کے واقعات پہلے کر دیے ہیں)۔ اس فتویٰ کے افادیت کو محسوس کرتے ہوئے اس کو رسالہ کی شکل میں لانا مناسب سمجھا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ میں قبولیت عطا فرمائیں اور عوام اور خواص سب کے لئے نافع بنائیں۔ آمین یارب العالمین۔فقط

محمد نوید خان

دار الافتاء جامعہ عبد اللہ بن عمر، گجو متہ لاہور

مؤرخہ: ۱۹ شعبان ۱۴۴۶

استفتاء کا اسکین!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسجد اور مدرسے کے مالی معاملات کے حوالے سے رہنمائی درکار ہے کہ مسجد اور مدرسے کا چندہ کہاں کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟ مسجد اور مدرسے میں آنے والی زکاۃ، صدقہ نذر، فطرانہ، عطیہ وغیرہ کی رقم کا کیا مصرف ہے؟ اگر کوئی شخص مختار بناتا ہے کہتا ہے کہ آپ کو اختیار ہے آپ جہاں مناسب سمجھیں وہاں لگا دیں تو کیا صورت بنانی چاہیے؟ مدرسہ کی کس مد سے مہمانوں کو کھانا یا ہدیہ دے سکتے ہیں؟ مسجد مدرسے وغیرہ کے مالیاتی امور میں ہمارے بزرگوں کا کیا طریقہ اور مزاج رہا ہے؟ چندہ لینے اور خرچ کرنے میں کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں تاکہ مسجد اور مدرسے کا مالی نظام درست طریقے سے چلایا جا سکے۔

محمد قاسم اقبال

متعلم دورہ حدیث، جامعہ عبد اللہ بن عمر، لاہور

۱۰ دسمبر ۲۰۲۲ء

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
جواب منسلک ہے۔

باب اول

اکابرین کے واقعات

مدارس کے مالی نظام سے متعلق اکابرین کے کچھ ملفوظات و واقعات

۱: دنیا اور آخرت کا سب سے بڑا عذاب

حضرت بنوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: اگر دینی مدرسہ دنیا کے لیے بنانا ہے تو آخرت کا سب سے بڑا عذاب ہے، اور اگر آخرت کے لیے بنانا ہے تو دنیا کا سب سے بڑا عذاب ہے۔(بینات: ص۲۰۰، خصوصی اشاعت) مطلب یہ کہ مدرسے کے معاملات میں احتیاط اور نگہداشت کی اتنی مشقت ہے کہ گویا عذاب ہو رہا ہے۔ اکابرین کے اداروں کو جو اس قدر مقبولیت ہوئی اس کا راز یہ احتیاط اور تقوی ہے۔

۲: اہل علم کو توکل اور استغنا کی ضرورت

حضرت والد صاحب (مفتی محمد شفیع) رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت نانوتوی قدس سرہ کی وصیت کے مطابق جب تک دینی مدارس توکل، استغناء اور للّٰہیت پر کاربند رہیں گے ان کا کام ان شاء اللہ بابرکت ہو گا۔ اور اہل علم سے دنیا کو فائدہ پہنچے گا، لیکن جب اہل علم بھی توکل اور استغناء سے محروم ہو جائیں گے اور اہل ثروت کی ثروت پر ان کی نگاہ جانے لگے تو ان کی تعلیم و تبلیغ بھی انوار و برکات سے خالی ہو جائے گی۔

۳: دار العلوم دکان نہیں

حضرت والد صاحب نے تمام منتظمین کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ: ہم نے دار العلوم کی شکل میں کوئی دکان نہیں کھولی، بلکہ خدمت دین کا ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ جب تک آپ حضرات اس ادارے کو

صحیح اصولوں پر اور اللہ تعالی کی رضا کے مطابق چلا سکیں چلائیں اور اگر خدانخواستہ کوئی ایسا وقت آجائے کہ اسے صحیح اصولوں پر چلانا ممکن نہ رہے تو میرے نزدیک اسے بند کر دینا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے غلط اصولوں پر چلایا جائے۔

(البلاغ:۱/۴۶۹، خصوصی اشاعت، میرے والد–میرے شیخ)

۴: صحیح طرح کام نہ ہو سکے تو؟

حضرت بنوری رحمہ اللہ فرماتے تھے: ہم تو صرف صحیح کام کرنے کے ہی مکلف ہیں۔ اگر صحیح طریق پر مدرسہ نہ چلا سکیں گے تو بند کر دیں گے۔ ہم کوئی دین کے ٹھیکیدار نہیں ہیں کہ صحیح یا غیر صحیح، جائز یا ناجائز جس طرح بھی ممکن ہو مدرسہ جاری رکھیں۔ ہم تو غیر صحیح اور ناجائز ذرائع اختیار کرنے کی بہ نسبت مدرسہ کو بند کر دینا بہتر، بلکہ آخرت کی مسئولیت کے اعتبار سے ضروری سمجھتے ہیں۔(بینات :ص ۲۱۱، خصوصی اشاعت) مطلب یہ کہ دین کے اصل محافظ خود اللہ تعالی ہیں۔ ہم لوگ ایک حد تک ہی کوشش کرنے کے مکلف ہیں۔ اس حد سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں، خواہ ادارہ رہے یا نہ رہے ۔ دین بہر حال قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اور اس کے لیے منجانب اللہ لوگوں کا انتخاب بھی ہوتا رہے گا۔ اگر ہم سے کام نہ ہو سکا تو کسی اور سے ہو جائے گا۔ ہم ادارے کے لیے شرعی احکام کو توڑ نہیں سکتے ۔ مدرسہ مقصود لعینہا نہیں، بلکہ مقصود لغیرہا ہے۔ اور وہ غیر حق تعالی کی رضا ہے۔

۵: ہمارے اکابر مالیات میں نہایت محتاط تھے

حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی (۱۳۱۵–۱۴۰۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے جملہ اکابر کو مدرسہ کے مالیات اور معاملات میں ہمیشہ نہایت ہی محتاط اور خائف پایا ہے ۔ حضرت اقدس قدوۃ الاتقیاء حضرت مولانا الحاج شاہ عبد الرحیم صاحب کا یہ مقولہ مشہور اور بارہا کا سنا ہوا ہے کہ میں مدرسوں کے معاملات سے جتنا ڈرتا ہوں اتنا کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ اس لیے کہ اگر کوئی شخص کسی کے یہاں

ملازم ہو، وہ خیانت یا کوتاہی کرے تو ملازمت سے علیحدہ ہوتے وقت یا مرتے وقت اس سے معاف کرالے اور صاحب حق اگر معاف کردے تو معاف ہو جاتا ہے۔ مدرسہ کا مال جو مزدوروں کے دو دو پیسوں کا چندہ ہوتا ہے اس کے معاف کرانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ہم لوگ سرپرستان مدرسہ محض امین ہیں۔ ہمیں دوسروں کے مال میں معاف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

(معارف شیخ:۱/۸۱،۸۲)

۶: مولانا عنایت الٰہی کی پنشن کا واقعہ

اور فرماتے ہیں: اس ناکارہ نے حضرات سرپرستان کی خدمت میں مولانا عنایت الٰہی صاحب علیہ الرحمۃ کی جانفشانی، قدامت، مدرسہ کی خدمات کی تفصیل کے ساتھ یہ تجویز پیش کی تھی کہ مدرسہ سے ان کی پنشن منظور ہو جائے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے ان کی ذات کے متعلق میری ساری تحریرات کی تصویب فرماتے ہوئے یہ تحریر فرمایا تھا کہ مدرسہ کے موجودہ خزانہ سے جائز نہیں ہے۔ آپ اس مد کا ایک مستقل اعلان اخبارات اور روئداد مدرسہ کے اندر کریں۔ اوراس مد کے اندر جو روپیہ آئے اس کو علیحدہ رکھ کر پنشن میں خرچ کریں۔ اور دس بارہ برس بعد مدرسہ کے متعلق اخراجات میں اس مد کا ہونا عام لوگوں کو معلوم ہو جائے تو اس وقت مدرسہ کے عام چندہ اور خزانے سے دینی جائز ہے۔

(مصدر سابق: ص۸۶،۸۷)

۷: حج کو جاتے ہوئے اپنی کتب مدرسے میں داخل کر گئے

حضرت (مولانا خلیل احمد سہارنپوری) قدس سرہ ۱۳۴۴ھ میں حج کو جاتے وقت اپنی ساری کتب یہ کہہ کر مدرسہ میں داخل فرما گئے تھے کہ مدرسہ کے حقوق نہ معلوم کتنے ذمہ ہوں گے؟۔ میرے دوستو! دینے والا صرف مالک ہے، اس کی خاطر جتنی احتیاط کروگے وہ اس کا بدلہ بہت زیادہ دے گا۔

(مصدر سابق: ص۸۶)

۸: مدرسے کی سیڑھی استعمال کرنے کا کرایہ

نیا مکان حضرت (تھانوی) کا بن رہا تھا۔ حافظ صاحب نے - جو کہ حضرت کا مکان بنوا رہے تھے - آکر دریافت کیا سیڑھی کی ضرورت ہے، مدرسہ کی سیڑھی لے لی جاوے؟ فرمایا کہ مکان سے کرایہ لے لیا جاوے - مدرسہ کی چیز وقف ہے - حافظ صاحب نے عرض کیا کہ مدرسہ کے کام کے لئے بھی اور جگہ سے ایسی چیزیں عاریتاً لے لی جاتی ہیں! فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا تبرع ہے، ان کو اختیار ہے، وہ نہ دیا کریں، لیکن مدرسہ کی چیزیں وقف ہیں ان کا اس طرح استعمال ناجائز سمجھتا ہوں۔ حضرت کے یہاں ایسی باتوں کا نہایت درجہ اہتمام ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۲۳/ ۲۷۶، ۲۷۷)

۹: مدرسے کی چیز ضائع ہونے کا رنج

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے مدرسے کی ذرا سی چیز کے ضائع ہونے سے بھی بے حد رنج ہوتا ہے۔ آخر مدرسے کی چیزیں حرام کی تو نہیں ہیں!

(ملفوظات حکیم الامت: ۱۳/ ۳۹)

۱۰: مدرسے کا قلم دوات استعمال کرنے کی اجرت

مولانا محمد قاسم صاحب جب مدرسہ دیوبند کے دوات قلم سے کوئی خط لکھتے تھے تو روشنائی اور قلم کے استعمال کے عوض ایک پیسہ دیتے تھے۔

۱۱: ضمان لازم نہ ہونے کے باوجود ضمان دیا

مولوی منیر الدین صاحب نانوتوی کچھ دن مدرسہ دیوبند کے مہتمم تھے۔ رپورٹ چھپوانے کو دہلی گئے تو راستہ میں روپیہ ضائع ہو گیا۔ واپس آنے کے بعد یہ تحقیق ہوا کہ امانت میں تعدی نہیں ہوئی، اس واسطے ضمان نہیں ہونا چاہیے۔ مگر مولوی صاحب نے اسی پر اصرار کیا کہ وہ ضمان ادا کریں۔ آخر فیصلہ

یہ ہوا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے فیصلہ کرایا جائے حضرت نے بھی یہی فیصلہ فرمایا کہ ضمان نہیں ہے۔ تو وہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے فرمانے لگے کہ میاں رشید نے یہ ساری فقہ میرے ہی لیے پڑھی ہے۔ اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر کہے کہ اگر اس سے روپیہ ضائع ہوتا اور ضمان نہ دیتا تب جانتا۔ پھر زمین فروخت کر کے روپیہ مدرسہ میں دیدیا۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۲٦/۳۰۳)
جب انتظامیہ ایسی احتیاط کرے تو پھر دینی خدمت کے اثرات و ثمرات بھی اسی کے مطابق ملتے ہیں۔

۱۲: امراء کی خوشامد نہ کریں

حضرت مولانا محمد قاسم (نانوتوی) باوجود بانی دارالعلوم (دیوبند) ہونے کے چندہ کے واسطے کبھی امراء کی خوشامد گوارا نہ کرتے تھے۔ اس طرح حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب (نانوتوی) مدرسہ کے مصالح پیش نظر ہونے کے باوجود کبھی کسی سے چندہ حاصل کرنے کے لئے نہ ملتے تھے۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۲۴/ ١٦٦) اب تو فنڈنگ ایک مستقل فن بن چکا ہے !! ببایںد تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا!!

۱۳: پیر کو خوش کرنے کے لیے اس کے مدرسے میں چندہ دینا

ایک شخص نے جو کہ ایک موضع کے رہنے والے ہیں جو کہ پانی پت کے قریب ہے۔ ۱۵ روپیہ مجھے (حضرت تھانوی کو) دیے کہ یہ مدرسے کیلئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے قریب کوئی مدرسہ نہیں ہے جس میں یہ روپیہ صرف کیے جاویں؟ انہوں نے کہا کہ ہے۔ میں نے کہا کہ پھر یہاں کیوں لائے؟ وہ خاموش رہے۔ میں نے کہا میرا خیال یہ ہے کہ یہاں اس لیے لائے کہ جس سے پیر بھی خوش ہوں۔ کہنے لگے کہ ہے تو یہی۔ میں نے کہا یہ شریعت میں ریاء ہے اور طریقت میں شرک ہے۔ پھر ان بیچاروں نے توبہ کی اور کہا کہ میں نے اس نیت سے توبہ کر لی ہے۔ اب روپیہ لے لو۔ اس پر فرمایا کہ چونکہ وہ ان

پڑھ تھے اس لیے اقرار کرلیا، اور جو مولوی صاحب ہوتے تو کہہ دیتے کہ دو مصالح کا جمع کرنا کیا جائز نہیں ہے؟

(ملفوظات حکیم الامت:۱۸/۲۹۸)

۱۴:اہل مدارس کا امراء کے دروازوں پر جانا بہت ناپسندیدہ ہے

اہل مدارس امراء کے دروازوں پر جاتے ہیں یہ طرز نہایت ہی ناپسندیدہ ہے۔ علماء کو اس سے اجتناب سخت ضروری ہے۔ اس میں دین اور اہل دین سب کی تحقیر ہے۔خدا کی ذات پر بھروسہ ہونا چاہئے ۔بقول ایک بزرگ کے جن سے میں نے اپنے مدرسہ کی بے سروسامانی کا ذکر کیا تھا۔انہوں نے فرمایا تھا کہ جس قدرت نے تمام عالم دنیا کو سنبھال رکھا ہے وہ آپ کی ذراسی مدرسی کو نہ سنبھال سکے گی، کیا کم ہمتی کا خیال ہے؟

(ملفوظات حکیم الامت:۲/۳۶۹)

۱۵:نہ اعلان نہ اشتہار نہ اپیل نہ سفیر

حضرت بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مدرسہ کے تمام اخراجات ملک کے مخلص حضرات کی اعانت سے پورے ہوتے ہیں۔ جن کے لیے نہ اخبارات میں اعلان ہوتا ہے ،نہ چندہ کی اپیل ،نہ سالانہ جلسوں کا انعقاد ،نہ سفراء بھیجے جاتے ہیں،نہ حکومت سے امداد اور اوقاف سے معاونت طلب کی جاتی ہے۔الحمد للہ تمام ضروریات پوری ہورہی ہیں۔ اس لیے کہ ہمارا بھروسہ خدا کی ذات پر ہے۔اور خزانے اس کے دست قدرت میں ہیں۔اور لوگوں کے دل اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ ہم خدا پر بھروسہ کرتے ہیں ،وہ صاحب ثروت نیک وصالح بندوں کے دلوں کو مدرسہ کی طرف متوجہ کردیتاہے۔ اور وہ اس طرح دیتے ہیں کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ دائیں نے کیا دیا ہے؟(بینات:ص۲۷، خصوصی اشاعت)لہذا مدرسہ بنانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی کے ساتھ ایسا تعلق بھی بنانا چاہیے۔

۱۶: دنیاوالوں کا تعلق علماء سے کچے دھاگے کی طرح ہے

حضرت بنوری رحمہ اللہ فرماتے تھے: دنیاوالوں کا تعلق علماء سے کچے دھاگے سے بندھا رہتا ہے، ذرا سی کوئی بات ان کے منشاء کے خلاف ہوئی اور فوراً تعلق ختم ہوا۔

(مصدر سابق: ص ۴۵)

۱۷: چندہ نہ مانگا جاتا ہے نہ تحریک کرائی جاتی ہے

حضرت تھانوی قدس سرہ کے مدرسے امداد العلوم تھانہ بھون میں چندے کے بارے میں معمول تھا: چندہ نہ کسی سے مانگا جاتا ہے، اور نہ تحریک صراحتاً یا کنایتاً کی جاتی ہے، نہ کرائی جاتی ہے۔

(ظِلِّ صُفّہ: ص ۱۱)

۱۸: ہم تو اللہ تعالی کے کام کے واسطے مانگتے ہیں

بعض کو یہ غلطی ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم اپنے لیے تو نہیں مانگتے، اللہ تعالی کے کام کے واسطے مانگتے ہیں، لیکن یہ عذر محض باطل ہے۔ اس لیے کہ معصیت ہر حال میں معصیت ہے۔ دین کے واسطے بھی معصیت حلال نہیں ہو جاتی، بلکہ غور کیا جائے تو اس کا قبح نقلاً و عقلاً زیادہ اشد ہے۔

(حقوق العلم: ص ۵۸، حضرت تھانوی)

۱۹: ہمارا سال بھر کا انتظام ہو چکا، دوسرے مدرسے دیدو

حضرت بنوری رحمہ اللہ بعض مرتبہ زکاۃ دینے والوں سے یہ فرمادیا کرتے تھے کہ ہمارا سال بھر کا انتظام ہو چکا ہے، آپ کسی دوسرے مدرسہ کو دیدیں۔ بعض مرتبہ خود لے کر کسی دوسرے مدرسہ کو دے دیتے۔ (بینات: ص ۶۲، خصوصی اشاعت) اخلاص اور توکل کامل ہو تو ایسے ہوتا ہے!

۲۰: دین کا کام دین کے خلاف کرنا زیادہ برا ہے

اگر رقم کم ہو مسجد کچی بنالو، چھپر ڈال لو، نماز کے لیے بہت ہے۔ مدرسہ مختصر بنالو، یا کسی کرایہ کے مکان میں رکھو، یا کسی مسجد میں بیٹھ جاؤ۔ معقولات کا درس کم کرو۔ قطبی تک پڑھانے والا تھوڑی تنخواہ کا مدرس کافی ہے۔ فرش وسامان میں تکلف مت کرو۔ غرض جہاں تک اختصار ممکن ہو اختصار کرو۔ اور ضروری ضروری کاموں پر نظر رکھو۔ اگر اتنا بھی حلال طور سے نہ ملا کام بند کر دو۔ سب مسلمانوں کا کام ہے۔ کچھ اکیلے مہتمم کا نہیں۔ چلے چلاوے، نہ چلے بند کر دے۔ بلکہ دین کا کام دین کے خلاف ہو کر کرنا اور بھی زیادہ برا ہے۔

(اصلاح الرسوم: ص ۱۳۶)

۲۱: دارالعلوم بنوری ٹاؤن کی خصوصیات حضرت بنوری کی زبانی

حضرت بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کے فضل وکرم سے مدرسہ (عربیہ، نیوٹاؤن) کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱: اساتذہ ومدرسین کی تنخواہیں صرف عطیات اور غیر زکاۃ فنڈ سے دی جاتی ہیں۔ زکاۃ اور صدقات واجبہ اس میں ہرگز نہیں لگائے جاتے۔

۲: زکاۃ اور صدقات واجبہ صرف غریب طلباء میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ ان سے کسی صورت میں تنخواہوں کے لیے قرض بھی نہیں لیا جاتا۔ حیلہ تملیک کے نام سے جو فقہی حیلہ ہمارے پاکستان کے مدارس میں عام طور پر رائج ہے، ہم نے بالکلیہ ختم کر دیا ہے۔

۳: ہر کام کے لیے ہم نے خاص فنڈ رکھا ہے، اس کام پر اسی فنڈ کے پیسے کو لگایا جاتا ہے ۔ چنانچہ تعمیرات کے لیے جو پیسہ آئے گا وہ اسی میں خرچ ہو گا۔ جو پیسہ کتابیں خریدنے کے لیے لیا جائے اسے صرف کتابیں خریدنے پر، لحاف، گدے، لباس وپوشاک کے پیسے صرف اسی کام میں، بجلی ، پنکھے وغیرہ کے لیے آمدہ پیسے صرف بجلی، پنکھے پر ہی خرچ ہوں گے۔ ایک فنڈ کا پیسہ دوسرے فنڈ میں

خرچ نہیں کیا جائے گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ان خصوصیات پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشی ۔(بینات: ص ۲۷، خصوصی اشاعت) اللہ اکبر! کیا تقوی تھا حضرت کا! للہ درہ! ثم للہ درہ!

۲۲: عمارتیں بڑی بڑی، علم وعمل مفقود

آج کل اکثر مدارس میں عمارتیں بڑی بڑی، مگر اصل چیز علم وعمل گویا مفقود۔ (ملفوظات حکیم الامت :۲ / ۱۹۲) لہذا عمارتوں کو ذرائع کے درجے میں رہنا چاہیے، انھیں مقصد بنالینا مذموم ہے۔ عمارتوں میں انہماک مقاصد سے دور کر دیتا ہے۔ تعلیم وتربیت جو اصل مقصد ہے اس پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔

۲۳: مدرسہ اصل مقصود نہیں، دین اصل مقصود ہے

مدرسہ کو ایسا مقصود بنالیا جاتا ہے کہ اس کی حفاظت وبقاء پر دین کو قربان کر دیا جاتا ہے، حالانکہ اصل مقصود دین ہے۔ مدارس حفاظت دین کا ذریعہ ہیں۔ پس ذریعہ کی حفاظت پر مقصود کو قربان کر دینا کتنا بڑا ظلم اور ناعاقبت اندیشی ہے۔ حدود شرع کے اندر اگر مدرسہ نہ چل سکے تو اسے بند کر دیا جائے، ہم اس کے مکلف نہیں۔ (احسن الفتاوی: ۱/ ۴۲۸، ۴۲۹) دینی تحریکوں اور جماعتوں کا بھی یہی حکم سمجھنا چاہیے ۔یہ بھی بذات خود مقصود نہیں، بلکہ دین کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہیں بس! جماعت چلاتے چلاتے خود دین پر نہ چلنا بہت بڑی غلطی ہے!

۲۴: مولانا مجھے عمارتوں اور موازنوں سے کوئی دلچسپی نہیں

حضرت مولانا عبد الباری ندوی رحمہ اللہ کراچی تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا (بنوری) نے انھیں ناشتہ پر مدعو فرمایا۔ راقم الحروف (ڈاکٹر غلام محمد) بھی دستر خوان پر موجود تھا۔ ناشتہ ہو چکا۔ بات مدرسہ عربیہ اسلامیہ (بنوری ٹاؤن) کی نکلی۔ مولانا (بنوری) کا حافظہ اعداد وشمار میں بھی بے نظیر تھا۔ مدرسہ کی عمارت کی لاگت، روزانہ کا خرچ، اور سالانہ موازنے کی مدات اور متعلقہ رقوم کی مقدار مولانا نے فر فر سنا ڈالی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ شاہ خرچی خاموشی سے پوری ہو جاتی ہے۔ نہ یہاں کوئی

اپیل نہ سفیر۔ حضرت شیخ (عبد الباری ندوی) نے یہ ساری روداد خاموشی سے سن لی، پھر فرمایا کہ مولانا مجھے عمارتوں اور موازنوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے تو آپ صرف یہ بتلایئے کہ کام کے کچھ آدمی بھی پیدا ہو سکے؟ پھر فرمایا: میں تو دیکھتا ہوں کہ اچھے اچھے علماء کی نظر بھی اسباب و علل پر لگی ہوئی ہے ،توحید میں رسوخ اور توکل واستغناء عنقا ہو گیا ہے۔ بس اتنا سننا تھا کہ مولانا (بنوری) پر ایسا سخت گریہ طاری ہو گیا کہ سسکیاں بندھ گئیں۔ واپسی پر حضرت شیخ (مولانا عبد الباری ندوی) نے مجھ (ڈاکٹر غلام محمد) سے فرمایا: ماشاء اللہ مولانا بڑے رقیق القلب ہیں اور نفس پر نگاہ خوب رہتی ہے۔

(بینات: ص۳۸۸،۳۸۹، خصوصی اشاعت)

۲۵: دین کا کام پیسوں سے نہیں چلتا

مولانا (محمد الیاس کاندھلوی) کو مدرسہ کی ظاہری حالت اور تعمیر کی طرف بالکل توجہ نہ تھی۔ مولانا کی طبیعت کے خلاف دہلی کے بعض حضرات نے کچھ حجرے تعمیر کرا دیے، مولانا واپس تشریف لائے تو سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا: اصل چیز تعلیم ہے۔ مدرسہ کی عمارت جب سے پکی ہوئی تعلیم کچی ہو گئی۔ فرماتے تھے: دین کا کام پیسوں سے نہیں چلتا، اگر دین کا کام پیسوں سے چلتا تو حضور ﷺ کو بہت کچھ مال و دولت ملتی۔ (حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت: ص۷۰،۷۱) مطلب یہ کہ دین کے کام کے لیے صرف پیسہ کافی نہیں۔ اصل چیز اخلاص، تقوی، توکل علی اللہ، درد دل، علمی تبحر، وغیرہ اوصاف ہیں۔

۲۶: کام کو اسباب کے تابع رکھنا چاہیے، شروع سے ہی لمبے چوڑے نقشے نہ بنائیں

کام شروع کرتے ہی اپنے ذہن میں لمبا چوڑا نقشہ مرتب کر لیتے ہیں کہ اتنے طلبہ کے طعام اور قیام کا انتظام کیا جائے گا۔ اتنے کمرے بنیں گے۔ اتنی درسگاہیں ہوں گی۔ اتنے اساتذہ ہوں گے۔ اتنا بڑا کتب خانہ ہو گا۔ حتی کہ سنگ بنیاد رکھنے سے قبل ہی دار العلوم اور جامعہ جیسے نام تجویز ہو جاتے ہیں۔ اب

اتنے بڑے کام کے لیے سرمایہ موجود نہیں ہوتا تو اہل ثروت کے دروازوں پر ہوتے ہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ابتداء مختصر سے کام کی بنیاد رکھی جائے۔ اس کے بعد جیسے جیسے اسباب پیدا ہوتے چلے جائیں کام کو اسی مقدار سے بڑھاتے جائیں۔ یعنی جتنی رقم اپنی اور دین کی عزت اور وقار کو باقی رکھتے ہوئے استغناء کے ساتھ حاصل ہو جائے صرف اسی قدر کام کا آغاز کیا جائے۔ آگے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو وہ آپکے اس چھوٹے سے کام کو دار العلوم اور جامعہ بھی بنا دیں گے۔ ورنہ ان کی مرضی کے مطابق جتنا کام بھی ہو سکے اسی کو غنیمت سمجھا جائے۔ اس کا ظاہر اچھوٹا سا وجود بھی عند اللہ بہت بڑا ہو گا۔

(احسن الفتاوی: ۱/ ۴۲۸)

۲۷: چھوڑو مولوی صاحب اس شرک کو

ایک مرتبہ مدرسہ خیر المدارس میں (حضرت بنوری کی) تشریف آوری ہوئی۔ بعض منتظمین نے کتاب الرائ حضرت کے سامنے پیش کی تا کہ حضرت مدرسہ کے بارے میں کچھ تحریر فرمادیں۔ حضرت قدس سرہ نے بے ساختہ ارشاد فرمایا: چھوڑو مولوی صاحب اس شرک کو! کس کو دکھاؤ گے؟ کیا رکھا ہے لوگوں کے پاس؟ حق تعالیٰ جتنا چاہیں گے دیں گے۔ کسی کو دکھانے سے کیا ہوتا ہے؟ ہمارے مدرسہ میں بڑے بڑے آئے ہیں، ہم نے کسی سے نہیں لکھوایا۔ جامعہ ازہر کے ڈائریکٹر آئے، سفیر آئے۔ سبحان اللہ! توحید و توکل کی کیا شان ہے!

(بینات: ص ۴۴۳، ۴۴۴، خصوصی اشاعت)

۲۸: مولانا خیر محمد جالندھری کو تین نصیحتیں

۹۷- حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ نے جب مدرسہ بنانے کا ارادہ کیا تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے انھیں تین نصیحتیں فرمائیں: ۱: مدرسہ کی بنیاد کسی غنی یا افسر کے بھروسہ پر نہ رکھی جائے، بلکہ محض توکلا علی اللہ خدا ہی کے بھروسہ پر رکھی جائے۔ ۲: عملہ کی کوئی خاص مقدار خود تجویز نہ کی جائے

،بلکہ یہ اندازہ رکھا جائے کہ حق تعالی جتنی توفیق دیں گے اتنا ہی رکھیں گے ،اگر گنجائش زیادہ ہوئی تو عملہ بڑھالیا جائے گا اور اگر گنجائش کم ہوگئی تو عملہ گھٹادیا جائے گا۔ ۳: غرباء کے چندے کو امراءواغنیاء کے چندے پر ترجیح دی جائے گی۔ اس لیے کہ امراء چندے دے کر منتظر ہوتے ہیں کہ ہماری تعریف کی جائے اور شکریہ ادا کیا جائے، اس میں بے برکتی ہوتی ہے۔ اور غرباء دے کر شکر گزار ہوتے ہیں کہ ہمارا روپیہ نیک مقصد کے لیے قبول کرلیا گیا، اس میں عند اللہ برکت ہوتی ہے۔

(آثار خیر: ص۵)

باب دوم

فقہی احکام

واضح ہو کہ مسجد اور مدرسے کے مالیاتی نظام کی ساری تفصیلات ایک فتوی میں ذکر کرنا تو دشوار ہے، البتہ یہاں اس بارے میں کچھ بنیادی احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔ انہیں اچھی طرح سمجھ کر ان کے مطابق عمل فرمائیں۔ اگر کوئی شبہ رہے یا کوئی نئی صورت پیش آئے تو دوبارہ دار الافتاء سے رجوع فرمائیں۔

مسجد اور مدرسے کے مالیاتی نظام کو بنیادی طور پر ۳ مرحلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱: فنڈ لینا اور محفوظ کرنا۔

۲: صحیح مصرف پر خرچ کرنا۔

۳: اشیاء کی نگہداشت اور حفاظت کرنا۔

۱: فنڈ لینے اور محفوظ کرنے کا مرحلہ

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) قدس سرہ نے ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ہے: **"التوریع عن فساد التوزیع"**۔ اس رسالے میں چندہ اکٹھا کرنے اور خرچ کرنے میں جو کوتاہیاں ہوتی ہیں ان کا ذکر ہے۔ چندہ لینے میں عموماً چار کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں:

چندہ لینے کی چار کوتاہیاں

۱-۱: مفسدہ اولی:

بعض اوقات یہ نہیں غور کیا جاتا کہ ہم جس کام کے لیے چندہ جمع کرتے ہیں وہ فی نفسہ امر محمود بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ اکثر رسوم یا تفاخر یا بدعات کی ترویج و تقویت کے لیے چندے ہوا کرتے ہیں جو خود ناجائز ہے۔ مثلاً مساجد میں فضول تزئین و نقش و نگار یا گنبد و منار کے لیے، یا مدارس میں جلسہائے تفاخر و تکاثر کے لیے، یا خانقاہوں میں اعراس وغیرہ کے لیے، یا رمضان کی میں ختم قرآن کی شیرینی یا محرم میں تعزیہ کے لیے، شب برات میں آتشبازی کے لیے یا ربیع الاول میں اس زمانے کی مجالس موالید

کے لیے و مثل ذلک، کہ یہ سب امور علی التفاوت خلاف شریعت و خلاف سنت ہیں۔ سو اس کی اصلاح یہی ہے کہ ایسے امور کے لیے چندہ لینا اور دینا ترک کر دیں۔

۱-۲: مفسدہ ثانیہ:

بعض اوقات یہ نہیں دیکھا جاتا کہ چندہ دینے والا حلال سے دیتا ہے یا حرام سے، حالانکہ اول تو حرام مال کا صرف کرنا ہر جگہ برا ہے، پس نیک کام میں اور بھی زیادہ برا ہے۔۔۔۔ پس جس شخص کا حال یقینا یا غالب قرائن سے معلوم ہو وہاں بلا تفتیش لینا جائز نہیں۔ اور تفتیش کے بعد بھی اگر وہ دعوی کرے کہ میں نے یہ رقم احتیاط شرعی کے ساتھ دی ہے، تو یہ شرط ہے کہ اس کے صدق کی دل گواہی بھی دیتا ہو، تب البتہ جائز ہے۔ اور اگر شبہ ہی نہ ہو تو معذور ہے۔

۱-۳: مفسدہ ثالثہ:

اکثر اس پر اصلا نظر نہیں ہوتی کہ یہ رقم یا اسباب جو یہ شخص دیتا ہے اس کی خالص مِلک ہے یا کسی حقدار وارث یتیم وغیرہ کا حق بھی اس میں مخلوط ہے۔ اکثر جگہ ترکہ مشترکہ میں سے نقد یا اسباب یکمشت یا چندہ دوامی کے طور پر آتا ہے اور اس کو حلال طیب سمجھا جاتا ہے۔۔۔۔ شے مشترک میں تصرف کرنا بدوں رضائے شرکاء کے جبکہ وہ سب بالغ ہوں، بالکل حرام ہے، اور نابالغ کی رضا و اذن بھی معتبر نہیں ۔اس لیے ایسے موقع پر دینے والے کو سمجھا دیا جائے کہ اگر تمھیں دینا ہے تو اپنے غیر مشترک مال سے دو، یا مشترک کو تقسیم کرکے پھر اپنے حصے سے دو۔ بالخصوص کسی شخص کے مرنے کے بعد عموما عادت ہے کہ اس کے کپڑے جوڑے بلا تقسیم بین الورثہ، باوجود بعض کے نابالغ ہونے کے مدارس یا مساجد میں بھیجدیے جاتے ہیں۔۔۔ یہ آمدنی بالکل ناجائز ہے۔ اس کا بہت ہی خیال چاہیے۔

۱-۴: مفسدہ رابعہ:

اکثر بلکہ قریب قریب علی الدوام اس کا بالکل لحاظ نہیں کیا جاتا کہ جس شخص سے یہ رقم وصول کی جارہی ہے، آیا یہ شخص بالکل خوشدلی سے دے رہا ہے، یا یہ کہ کسی خاص شخص کی وجاہت اور دباؤ، یا عام

مجمع کے شرم ولحاظ سے دے رہا ہے۔اور یہ وہ آفت ہے جس سے غالبا خواص واہل علم بھی بہت کم محفوظ ہیں۔بلکہ اس کے قبح کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا،بلکہ بالعکس اس کو اپنی اعلی درجے کی کارگزاری، اور حسن سعی اور ہوشیاری،اور موجب ثواب وشعبہ دینداری، سمجھتے ہیں۔اور اس آیت کے مصداق بنتے ہیں:اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (الکہف:١٠٤) وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکتی رہی دنیا کی زندگی میں،اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بناتے ہیں کام۔(موضح فرقان:ص٤٠٦) اور اس مجموعی جز کا اصلی محرک یہی جز زیادہ ہے کہ اس میں ابتلاء بھی عام اور اشد ہے۔اس لیے اس باب میں خاص طور پر توجہ فرمایئے۔اور اس کے متعلق دلائل صحیحہ صریحہ سنیے۔۔۔

اس فضیحت اور رسوائی کے خوف سے بعضے لوگ دیتے رہتے ہیں۔یہ سب محتمِلِ کراہتِ نفس ہے،اور طیبِ نفس کا اس میں تیقن (یقین) اور غلبہ ظن نہیں۔اس لیے اس کی بہت احتیاط چاہیے۔اور احتیاط کا طریقہ یہی ہے کہ خاص خطاب نہ کریں۔(یعنی کسی خاص آدمی سے چندے کے لیے نہ کہیں)۔اور عام خطاب میں بھی دباؤ کے کلمات نہ کہیں۔ضرورت کی اطلاع کے ساتھ تصریح کردیں کہ جس قدر جس کی خوشی ہو اور آسانی سے دے سکے شریک ہونا موجب ثواب ہے۔۔۔اور خاص تحریر یا تقریر میں بھی آزادی کے عنوان سے تحریک کریں کہ اس پر اصلا گرانی نہ ہو۔۔“

(التوریع عن فساد التوزیع)

۵:خطاب خاص سے چندہ مانگنے کی شرط

اور حضرت فرماتے ہیں:”علماء پر ضروری ہے کہ ایسے اعمال جو خلاف شرع وخلاف وضع (یعنی علماء کے مقام ومنصب کے خلاف) ہوں ہرگز اختیار نہ کریں۔توکل پر دین کی خدمت کریں۔خطاب عام سے ترغیب الی الخیر والانفاق فی سبیل اللہ حسب موقع کردینا مضائقہ نہیں۔اگر کوئی راغب الی الخیر میسر ہوجائے جو مصارف خیر کا جویاں رہتا ہے اور پورا یقین ہے کہ خطاب خاص سے اس کی آزادی میں ذرا

اختلال نہ ہو گا اور جو کچھ کرے گا **بطیب خاطر** کرے گا تو ان قیود کے ساتھ خطاب خاص کا مضائقہ نہیں"۔

(حقوق العلم:ص۶۰)

۶:طیب خاطر کے معنی

طیب خاطر کے معنی : رضا سے مراد سکوت کرنا یا ناراضی کا اظہار نہ کرنا یا پوچھنے پر رضا ظاہر کرنا نہیں۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ اکثر اوقات باوجود گرانی اور کراہت کے، لحاظ و شرم و مروت کے سبب بھی ایسا کیا جاتا ہے۔ رضا وہ ہے کہ قرائن قویہ غیر مشتبہ سے مالک کا طیب خاطر جزم کے ساتھ معلوم ہو۔ (یعنی دلی خوشی یقینی طور پر معلوم ہو)۔ قرآن و حدیث میں اسی مادہ کا استعمال شرط جواز مال میں کیا گیا ہے۔۔۔۔ اور یہی حکم ہے چندوں اور مواریث کے متعلق کہ لحاظ سے دیدینا یا معاف کر دینا کافی نہیں، طیب خاطر شرط ہے۔

(اصلاح انقلاب امت:۲/۱۸۶، حضرت تھانوی)

۷:فنڈ جمع کرنے کے مسائل کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ جس کام کے لیے فنڈ جمع کیا جارہا ہے وہ جائز ہو، دینے والے کا مال حلال ہو، دینے والے کے مال میں کسی اور کا حق ملا ہوا نہ ہو، اور اپنی دلی خوشی سے دے، اس پر کسی طرح کا دباؤ نہ ہو۔ چار باتیں تو یہ ہوئیں۔ پانچویں خرابی یہ ہے کہ فنڈ وصول کرنے کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں دین یا اہل دین کی ذلت و اہانت ہو۔ مثلاً مالداروں کی خوشامد اور چاپلوسی کی جائے، اپنے آپ کو یا دین کو محتاج بنا کر پیش کیا جائے وغیرہ۔ فنڈ جمع کرنے کے بارے میں یہ پانچ بنیادی باتیں ہوئیں جن کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

۸:چندہ مالدار کریں اور خطاب عام ہو

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چندہ رؤساء کریں اور خطاب بھی عام ہو، علماء نہ کریں، کیونکہ اگر وجاہت عالِم (میں) ہوگی تو دینے والے کو گرانی ہوگی، اور اگر عالِم میں وجاہت نہیں تو ذلت ہوگی ۔ دونوں صورتوں میں دین کا نقصان ہے۔ (چندہ کے احکام وفضائل: ص۲۹، مجموعہ افادات حضرت تھانوی، از محمد اقبال قریشی، ہارون آباد)

۹: مختلف مدات کا چندہ الگ الگ محفوظ کرنا

فنڈ محفوظ کرنے کے بارے میں بنیادی بات یہ ہے کہ مختلف مدات کا چندہ الگ الگ محفوظ کیا جائے ۔ آپس میں گڈ مڈ نہ کیا جائے۔ واجب اور نفل صدقہ الگ الگ رہنا چاہیے، تاکہ دونوں کو اپنے اپنے مصرف پر خرچ کیا جاسکے ۔ واجب صدقہ سے مراد زکاۃ، عشر، صدقہ فطر، کفارہ، نذر وغیرہ ہے ۔ اور نفلی صدقہ اگر کسی خاص مد میں آیا ہے مثلاً تعمیر کے لیے، یا کتابوں کے لیے تو اسے بھی احتیاط کے ساتھ الگ رکھا جائے تاکہ اسی مد میں خرچ کیا جاسکے۔

في رد المحتار : كتاب الزكاة ، باب مصرف الزكاة والعشر ، ٢/٣٣٩

باب المصرف (قوله: أي مصرف الزكاة والعشر) يشير إلى وجه مناسبته هنا، والمراد بالعشر ما ينسب إليه كما مر فيشمل العشر ونصفه المأخوذين من أرض المسلم وربعه المأخوذ منه إذا مر على العاشر أفاده ح. وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما في القهستاني .

۱۰، ۱۱: واجب اور نفلی صدقہ الگ الگ

واجب اور نفل صدقات الگ الگ رکھنے کی ایک تدبیر یہ ہے کہ دونوں کے الگ الگ اکاؤنٹ ہوں۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (۱۳۲۶-۱۳۹۷ھ) رحمہ اللہ نے خازن مدرسہ کو یہ ہدایت دی تھی کہ بنیادی طور پر مدرسہ کے دو فنڈ اور بینک میں دو علیحدہ علیحدہ اکاؤنٹ ہونے چاہییں۔ واجب صدقات کا

اکاؤنٹ۔ نفلی صدقات کا اکاؤنٹ۔ دونوں فنڈ ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ اس طرح رکھے جائیں کہ خلط ہونے کا امکان باقی نہ رہے۔ اور دونوں قسم کی رقوم حسب ذیل طریقے پر خرچ کی جائیں۔۔۔۔

(بینات: ص۲۰۶،۲۰۷ملخصا، خصوصی اشاعت)

واجب اور نفل صدقہ الگ الگ رہے، اگرچہ دینے والے سب لوگوں کا چندہ الگ الگ نہ بھی ہو۔ البتہ مجموعی حساب کرلیا جائے۔ اتنا کافی ہے۔

(مأخذہ: کفایت المفتی: ۴/ ۲۷۸،۲۸۶)

۱۲: چندے کی فقہی تکییف

چندے کی فقہی تکییف: مدارس اور مساجد میں جو رقوم (یعنی نفلی صدقات) یہ کہہ کر دی جاتی ہیں کہ یہ رقم مدرسہ یا مسجد میں دینی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور یہ کس عقد میں داخل ہے؟۔۔۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عقد کی جدید قسم ہے، جو وقف وہبہ کے بین بین ہے، اور دونوں کے احکام فی الجملہ اس کے لیے ثابت ہیں۔۔۔۔ افاد ذلک کلہ الشیخ (التھانوی) دام وعلا۔

(امداد الاحکام: ۳/ ۲۲۰-۲۲۲، الحارس عن بعض مضائق المدارس)

متولیان و مہتممان مدارس کے پاس جو رقم مدرسہ کے لیے، رقوم تملیک کے علاوہ آتی ہے، وہ مدرسہ کے لیے وقف وہبہ ہے۔

(امداد الاحکام: ۳/ ۲۶۱)

۱۳: مسجد میں کوئی دی اور متولی نے وصول کرلیا

جب مسجد میں کوئی چیز دے دی گئی اور متولی مسجد نے اس پر قبضہ کرلیا تو وہ اس مسجد کی مِلک ہوگئی۔

(امداد الاحکام: ۳/ ۲۶۸)

في الفتاوى الهندية : ۴۶۰/۲ ، كتاب الوقف ، الفصل الثاني في الوقف وتصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه

رجل أعطى درهما في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد صح؛ لأنه وإن كان لا يمكن تصحيحه تمليكا بالهبة للمسجد فإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح فيتم بالقبض ، كذا في الواقعات الحسامية.....

ولو قال: وهبت داري للمسجد أو أعطيتها له، صح ويكون تمليكا فيشترط التسليم، كما لو قال: وقفت هذه المائة للمسجد يصح بطريق التمليك إذا سلمه للقيم كذا في الفتاوى العتابية.

لو قال: هذه الشجرة للمسجد لا تصير للمسجد حتى تسلم إلى قيم المسجد، كذا في المحيط.

۱۴: تملیک اور اباحت میں فرق

تملیک اور اباحت کے طور پر دینے میں فرق: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ روپیہ مدرسہ میں بطور تملیک دیتا ہوں تو یہ رقم مدرسہ کی ملک ہو جائے گی، اور اس میں سے قرض دینا جائز نہ ہو گا۔ اور اگر مدرسہ میں بطور اباحت دیا ہے اور یہ بھی کہہ دیا کہ اس میں سے قرض بھی دیا جا سکتا ہے تو یہ رقم مدرسہ کی ملک نہ ہو گی۔ جن کو روپیہ سپرد کیا گیا ہے وہ شخص وکیل ہو گا اور مالک وہی دینے والا رہے گا۔ اگر وہ مر گیا تو وہ باقی رقم ورثاء کو واپس دی جائے گی۔ اس کو مدرسہ میں یا کہیں اور صرف نہیں کر سکتے اور حولان حول پر زکوٰۃ بھی واجب ہو گی۔ ان باتوں کا اہل مدارس کو قطعاً خیال نہیں، حالانکہ سخت ضرورت ہے خیال کرنے کی۔

(ملفوظات حکیم الامت:۶/۱۵۳)

۲: فنڈ خرچ کرنے کا مرحلہ

چندہ جمع کرنے کے بارے میں کچھ خرابیوں کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ فنڈ خرچ کرنے سے متعلق تین بنیادی کوتاہیاں ہیں۔

۱۵: چندہ فضول اخراجات میں خرچ کرنا

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مفسدہ خامسہ: یہ کہ اکثر چندہ کے مال کو بڑی بے دردی سے فضول اخراجات میں صرف کرتے ہیں۔ اسراف خود حرام ہے، مال امانت میں اور زیادہ برا ہے۔

۱۶: مختلف مدات کا چندہ گڈ مڈ کر دینا

مفسدہ سادسہ: اکثر ایسی بے احتیاطی ہوتی ہے کہ اگر مختلف مدات کا چندہ ہے تو کچھ تاویل کر کرا کر ایک مد کا دوسرے میں، دوسرے کا تیسرے میں، غرض گڈ مڈ کر کے اس طرح صرف کرتے ہیں کہ جیسے متولی یا مہتمم صاحب کی مِلک ہے اور ان کو ہر طرح تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شخص اس مال میں وکیل اور امین ہے۔ خلاف اذن اور رضائے مؤکل حبہ (ذرہ) بھر تصرف کرنا بالکل حرام ہے۔

۱۷: کسی خاص مد میں آئی رقم میں سے کچھ بچ گئی

مفسدہ سابعہ: بعض اوقات کچھ رقم (کسی خاص مد میں آئے ہوئے) چندہ کی بچ جاتی ہے۔ اس کو بھی یہ منتظم یا تو خود خورد برد کرتا ہے یا اپنی رائے سے کسی دوسرے کام میں لگا لیتا ہے۔ یاد رکھو کہ جو بچا ہے ، اگر یہ رقم دوسرے اشخاص کی رقم کے ساتھ مخلوط نہیں، تب تو خاص اسی کی ملک ہے۔ اس سے اطلاع کر کے اجازت لینا چاہیے۔ اور اگر سب مخلوط تھی تو وہ باقی رقم کے بقدر حصہ مشترک ہے۔ سب سے اجازت لینا چاہیے۔ اور اگر بعض کا پتہ نہ ہو تو اس کے حصے کی رقم کا حکم مثل لقطہ کے ہے۔ اور جو حصہ دار معلوم ہیں ان سے اجازت اور ان کی رضا حاصل کرنا ضرور ہے۔

۱۸: چندے کی گڑبڑ میں حقوق العباد کا مواخذہ

اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان مفاسد میں سے اکثر متعلق بہ حقوق العباد ہیں۔ اور ان کی اصلاح نہ کرنے سے حقوق العباد میں مبتلا ہو گا، جس کے واسطے احادیث میں وعید شدید وارد ہے۔ نمونہ کے طور پر کچھ مختصر لکھا جاتا ہے۔۔۔۔

(التوریع عن فساد التوزیع)

۱۹: فنڈ انتظامیہ کے پاس امانت ہے

مسجد اور مدرسے کا فنڈ انتظامیہ کے پاس امانت ہوتا ہے۔ اسے مخصوص مصارف پر ضرورت کی حد تک خرچ کرنا ہوتا ہے۔ اور اس میں بڑی احتیاط اور باریک بینی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ سوچ سمجھ کر مناسب منصوبہ بندی سے کام لینا چاہیے۔ ورنہ حقوق العباد کا مؤاخذہ اور اپنی آخرت کی بربادی ہے۔

في الدر مع الرد : ۳۶۸/۴

فيقدم أولا العمارة الضرورية ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر بقدر ما يقوم به الحال، فإن فضل شيء يعطى لبقية المستحقين إذ لا شك أن مراد الواقف انتظام حال مسجده أو مدرسته لا مجرد انتفاع أهل الوقف، وإن لزم تعطيله .

۲۰: وقف میں ناجائز تصرف خیانت ہے

وقف میں ہر ناجائز تصرف خیانت ہے۔ اور ہر خائن متولی واجب العزل ہے۔ ایسے متولی کو معزول نہ کرنا گناہ ہے۔

(احسن الفتاوی:۶/ ۴۱۰)

۲۱: وقف کی آمدنی کے مصارف

وقف کی آمدنی کے مصارف میں فقہاء فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے وقف کی عمارت ہے،اور پھر وہ جو اقرب الی العمارۃ اور اعم للمصلحۃ ہو۔ عمارت میں وہ تمام مصارف داخل ہوں گے جن سے جائیداد موقوفہ کا بقاواستحکام کا فائدہ حاصل کیا جائے۔یعنی وقف کی ظاہری حیثیت باقی رہے اور مستحکم ہو۔اس کا مطلب جدید عمارت بنانا یا توڑ کر از سر نو تعمیر کرنا نہیں۔پھر معنوی عمارت اصل غرض کا وجود ہے ،اس لیے جو مصارف اصل غرض کے لیے مفید ہوں ماہو اقرب للعمارۃ واعم للمصلحۃ میں داخل ہوں گے ۔امام مسجد اور مدرس مدرسہ کو توصراحتاماہو اقرب للعمارۃ میں داخل کیا ہے کہ ان کے وجود سے مسجد اور مدرسہ کی اصل آبادی ہوتی ہے۔اعم للمصلحۃ میں چراغ،بتی،صفیں،سوختہ وغیرہ داخل ہیں۔

(مأخذہ: کفایت المفتی:۷/۲۶۳،۲۶۴) فی رد المحتار:۴/۳۶۷

قال في الحاوي القدسي:

والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف أي من غلته عمارته شرط الواقف أولا ثم ما هو أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد، والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح ، هذا إذا لم يكن معينا فإن كان الوقف معينا على شيء يصرف إليه بعد عمارة البناء اهـ قال في البحر والسراج بالكسر: القناديل ومراده مع زيتها والبساط بالكسر أيضا الحصير، ويلحق بهما معلوم خادمهما وهما الوقاد والفراش فيقدمان وقوله إلى آخر المصالح: أي مصالح المسجد يدخل فيه المؤذن والناظر ويدخل تحت الإمام الخطيب لأنه إمام الجامع اهـ ملخصا

۲۲: وظیفہ کے بقدر کفایت ہونے کا مطلب

مشاہرہ کے بقدر کفایت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا مقرر کیا جائے جو اس کی معاشی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے اوسط درجے کے لحاظ سے کافی ہو۔اور معاشی ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں کسی کی کم میں پوری ہوتی ہیں، کسی کی زیادہ میں،اس لیے کسی رقم سے اس کی تعیین ہونی مشکل ہے۔

(کفایت المفتی:۷/۲۶۳)وظیفہ اور اجرت میں فرق۔(دیکھیے: کفایت المفتی:۷/۲۶۳)

۲۳،۲۴: جس کام کے لیے چندہ لیا گیا ہو اسی میں خرچ کرنا ضروری ہے۔

۲۳- جس مقصد کے لئے اور جس چیز کی وضاحت کر کے چندہ کیا گیا ہو اس کی رعایت کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہے اور ضروری ہے، اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

(فتاوی رحیمیہ: ۹/ ۱۵۵)

۲۴- چندہ کا روپیہ اسی کام میں صرف ہو سکتا ہے جس کے لیے دینے والوں نے دیا ہے۔ اس کے علاوہ خرچ کرنا جائز نہیں۔ جو خرچ کرے گا وہ خود ضامن ہو گا۔

(کفایت المفتی: ۷/ ۹۹)

۲۵: چندہ دینے والے نے مصرف طے کر دیا یا کلی اختیار دیدیا

اگر چندہ دہندگان نے مصرف کی تعیین کر دی ہے تو اسی مصرف پر چندہ صرف کیا جائے گا۔ اس کے خلاف نہ کیا جائے۔ اگر مصرف کی تعیین نہیں کی، بلکہ مہتمم کو مصالح مدرسہ میں صرف کرنے کا کلی اختیار دیدیا ہے تو پھر ہر مصلحت میں صرف کرنا درست ہے۔۔۔ انعامی جلسہ بھی مصالح مدرسہ میں سے ہے۔ (بشرطیکہ منکرات سے خالی ہو والا لا)۔

(فتاوی محمودیہ: ۱۵/ ۴۶۶، ۴۶۷، ۵۹۸، ۵۹۹، فاروقیہ)

۲۶: مسجد کے فنڈ کا مصرف

مسجد کا فنڈ ضروریات مسجد کے لیے ہوتا ہے۔ غیر مصرف پر خرچ کیا تو ضمان دینا ہو گا۔ مسجد کے فنڈ سے اگر جلسہ کرایا تو انتظامیہ اپنی جیب سے اتنی رقم پوری کرے۔

(خیر الفتاوی: ۶/ ۴۸۱) نیز دیکھیے: عزیز الفتاوی: ص ۵۷۷، ۵۷۸

۲۷، ۲۸: مسجد کے فنڈ سے پانی گرم کرنے کا خرچ

۲۷- اگر سردی کے موسم میں پانی گرم نہ کرنے سے نمازی مسجد میں نہ آتے ہوں، یا بہت کم آتے ہوں تو ہر حال میں (مسجد کی آمدنی سے پانی گرم کرنے کا انتظام کرنا) جائز ہوگا، کیونکہ اب یہ مصالح مسجد میں داخل ہوگیا۔ لان تکثیر الجماعۃ من مصالحہ۔ (امداد الاحکام: ۳/ ۹۱، ملخصا) گرمی کے موسم میں پنکھے، کولر اور اے سی کا بھی یہی حکم ہے۔

۲۸- مسجد میں پانی گرم اور وضو و غسل کے نظم کا عرف عام ہو چکا ہے، اس لیے مسجد کی طرف سے انتظام کرنا درست ہے۔ (مأخذہ: فتاوی محمودیہ: ۲۲/ ۲۱۵، ۲۱۶، دار الاشاعت) لہٰذا مسجد کے عمومی فنڈ سے وضو گاہ پر خرچ کرنا درست ہے۔

۲۹: مسجد کی چیز ذاتی استعمال میں لانا

مسجد کی اشیاء بلا معاوضہ (ذاتی) استعمال کرنے کا کسی کو حق نہیں، متولی ہو یا غیر متولی۔ جو استعمال کرے کرایہ دے۔ (مأخذہ: فتاوی محمودیہ: ۲۲/ ۲۲۴، دار الاشاعت) یعنی اگر سخت مجبوری میں کسی نے مسجد کی کوئی چیز استعمال کر لی تو کرایہ دے۔

۳۰: مسجد کے مائک پر اعلان کرنے کا روپیہ لینا

مسجد کے مائک پر اعلان کرنے کا روپیہ لینا درست نہیں۔ (فتاوی محمودیہ: ۲۲/ ۴۰۳، دار الاشاعت) یعنی انتظامیہ اجارہ کے طور پر مسجد کا مائک استعمال نہیں کر سکتی۔

۳۱: مسجد کے فنڈ سے متولی کی تنخواہ

مسجد کے فنڈ سے متولی کو تنخواہ لینا جائز ہے، لیکن تنخواہ کا تعین کسی اور سے کرایا جائے جو خدمات اور آمد کا جائزہ لے کر تنخواہ متعین کرے۔ نیز مالیات کے شعبہ میں ایک دو مخلص آدمی ساتھ رکھے تا کہ تہمت اور نفس کی شرارت سے حفاظت رہے۔

(مأخذہ: خیر الفتاوی: ۶/ ۴۸۹، ۴۹۰، نیز دیکھیے: فتاوی حقانیہ: ۵/ ۱۰۶)

۳۲: مسجد کا متولی نسل در نسل ہونا

مسجد کا متولی نسلا بعد نسل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ بعد میں آنیوالے میں صلاحیت ہو۔(فتاوی حقانیہ : ۵/ ۱۱۵) واقف کی اولاد متولی بننے کی زیادہ حقدار ہے بشرطیکہ اہل ہو۔

(مأخذہ: عزیز الفتاوی: ص ۵۶۰، ۵۶۱)

۳۳: مسجد کے فنڈ سے قرض دینا یا مسجد میں بطور قرض خرچ کرنا

متولی نے واپس لینے کی غرض سے اپنا ذاتی پیسہ مسجد میں لگایا تو واپس لے سکتا ہے۔(مأخذہ: عزیز الفتاوی :ص ۵۷۷) لیکن متولی مسجد یا مدرسہ کے فنڈ سے کسی کو قرض نہیں دے سکتا۔(خیر الفتاوی :۶/ ۴۸۶، ۴۷۳، نیز دیکھیے: ۶/ ۴۸۸، ۴۸۹) اگر دیا تو متولی ضامن ہے۔ اور انتظامیہ مسجد (یا مدرسہ) کا قرض معاف کرنے کی مجاز نہیں۔(مصدر سابق: ۶/ ۴۷۴) مسجد کی رقم متولی وغیرہ معاف نہیں کر سکتے۔

(عزیز الفتاوی: ص ۵۹۱، ۵۹۲)

۳۴: مسجد کے فنڈ سے امام، مؤذن، خطیب اور خادم کی تنخواہ

مسجد کی عام ضروریات کے لیے رکھے ہوئے چندہ سے امام، مؤذن، خطیب اور خادم کو تنخواہ دینا جائز ہے ۔ان کی تنخواہ میں کمی بیشی کا فیصلہ وقف کی آمدنی اور مقدار لیاقت کے لحاظ سے کیا جا سکتا ہے۔(مأخذہ: فتاوی حقانیہ: ۵/ ۱۰۰، کفایت المفتی: ۷/ ۶۷، خیر الفتاوی: ۶/ ۴۷۳)

في الفتاوى الهندية : ۲/ ۴۶۱ ، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه

وللمتولي أن يستأجر من يخدم المسجد يكنسه ونحو ذلك بأجر مثله أو زيادة يتغابن فيها فإن كان أكثر فالإجارة له وعليه الدفع من مال نفسه ويضمن لو دفع من مال الوقف وإن علم الأجير أن ما أخذه من مال الوقف لا يحل له، كذا في فتح القدير.

۳۵: مسجد کے فنڈ سے بجلی، دریاں اور فرش

بجلی، دریاں، اور فرش بنانے کا سامان، یہ سب مسجد کی ضروریات اور مصالح میں سے ہیں۔ ان پر عمومی فنڈ سے خرچ کرنا درست ہے۔

في الفتاوى الهندية : ۴۶۱/۲

مسجد له مستغلات وأوقاف أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهنا أو حصيرا أو حشيشا أو آجرا أو جصا لفرش المسجد أو حصى قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد كان له أن يشتري للمسجد ما شاء وإن لم يوسع ولكنه وقف لبناء المسجد وعمارة المسجد ليس للقيم أن يشتري ما ذكرنا وإن لم يعرف شرط الواقف في ذلك ينظر هذا القيم إلى من كان قبله، فإن كانوا يشترون من أوقاف المسجد الدهن والحصير والحشيش والآجر وما ذكرنا كان للقيم أن يفعل وإلا فلا، كذا في فتاوى قاضي خان.

وفيه : ۴۶۲/۲

وفي الفتاوى الصغرى المتولي إذا أنفق على قناديل المسجد من وقف المسجد جاز، كذا في الخلاصة.

۳۶: مسجد کے فنڈ سے بیت الخلاء اور غسل خانے بنانا

مسجد کے عام فنڈ سے مسجد کے لیے بیت الخلا بنانا درست ہے۔ اور احتیاط یہ ہے کہ غسل خانے بنانے کے لیے مستقل چندہ کیا جائے، (اگرچہ مسجد کے فنڈ سے بنانے کی بھی گنجائش ہے)۔ حرام مال سے بھی مسجد کے بیت الخلا نہیں بنا سکتے۔ (مأخذہ: خیر الفتاوی: ٦/ ۴۸۲، ۴۸۳) مسجد کے فنڈ سے مسجد کے غسل خانے کے لیے بالٹی خریدنا بھی درست ہے۔

(فتاوی محمودیہ: ۲۲/ ١٦٦، دار الاشاعت)

۳۷: مسجد ک فنڈ سے امام صاحب کا مکان بنانا

امام مسجد کا مکان مصالح مسجد میں سے ہے۔لہذا مسجد کے فنڈ سے تعمیر کرنا درست ہے۔

في الدر مع الرد : ۳۵۸/۴

لو بنى فوقه بيتا للإمام لا يضر لأنه من المصالح . وانظر: فتاوى عثمانى : ۵۲۷،۵۲۶/۲

۳۸: مسجد کے فنڈ سے مینار بنانا

مسجد کے فنڈ سے مینار بنانا: مینار پر عموما لاؤڈ سپیکر لگایا جاتا ہے،اس لیے مسجد کے فنڈ سے مینار بنانے کی گنجائش ہے۔(مأخذہ: فتاوی قاسمیہ:۱۸/ ۵۵۵،۵۵۴)

في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية : ۲۶۹/۶

وله بناء المنارة من مال المسجد لأنه لتعميم الدعاء إلى الصلاة .

وفي الفتاوى الهندية : ۴۶۲/۲

ويجوز أن يبني منارة من غلة وقف المسجد إن احتاج إليها؛ ليكون للجيران وإن كانوا يسمعون الآذان بدون المنارة فلا، كذا في خزانة المفتين.

۳۹: مسجد اور مدرسے کا فنڈ ایک دوسرے پر خرچ کرنا

اگر مسجد و مدرسہ کا حساب کتاب الگ الگ نہیں، بلکہ (دونوں) ایک دوسرے کے تابع ہیں اور چندہ بھی مشترکہ ہوتا ہے، تو ایک کا فنڈ دوسرے پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔

(خیر الفتاوی:۶/ ۴۸۶،۴۸۷)

۴۰: مسجد کے بیت الخلاء اور غسل خانے کے استعمال کی اجرت لینا

(غیر نمازیوں کے) مسجد کے بیت الخلا اور غسل خانے کے استعمال پر معاوضہ مقرر کرنے کی گنجائش ہے۔

(خیر الفتاوی:۶/۵۰۸،حاشیہ)

۴۱: مسجد کے فنڈ سے مردے نہلانے کی اجرت دینا

مسجد کے فنڈ سے مردے نہلانے والے کو اجرت دینا جائز نہیں۔

(عزیز الفتاوی: ص۵۷۶)

۴۲: مسجد یا مدرسے میں چندہ دینے کے بعد واپس لینا

مسجد یا مدرسہ میں چندہ دینے کے بعد واپس لینے کا حق نہیں ۔(مأخذہ: فتاوی حقانیہ :۵/ ۱۳۲،احسن الفتاوی:۶/ ۴۱۶) تملیک اور اباحت کے طور پر دینے میں فرق اوپر مذکور ہوا۔

۴۳: مسجد کے لیے سودی قرض لینا

مسجد کے لیے سودی قرض لینا جائز نہیں، جس نے لیا ہے وہ خود ادا کرے گا۔

(مأخذہ:عزیز الفتاوی: ص۵۷۶)

۴۴: مسجد کے کام میں حرام مال لگانا

مسجد کے کاموں میں حرام مال لگانا جائز نہیں۔

(عزیز الفتاوی: ص۵۹۱)

۴۵: مسجد کے فنڈ سے فوت شدہ امام کے اہل خانہ کو پنشن دینا

مسجد کے فنڈ سے فوت شدہ امام کے اہل خانہ کو پینشن دینا جائز نہیں، الا یہ کہ خاص اس کام کے لیے چندہ کیا گیا ہو۔

(مأخذہ: کتاب النوازل:۱۳/ ۳۰۵)

۴۶: ایک مسجد کا زائد سامان دوسری مسجد میں لگانا

ایک مسجد کا زائد سامان دوسری مسجد میں لگانا درست نہیں، بلکہ اسے بیچ کر اسی مسجد کے دوسرے مصارف میں خرچ کیا جائے یا آئندہ ضرورت کے لیے محفوظ رکھا جائے۔

(امداد المفتین: ص ۶۴۰، ۶۴۱)

۴۷: مسجد کی کوئی چیز اپنے ذاتی استعمال میں لانا

مسجد کی کوئی چیز جیسے اینٹ، گارا، چونا، لکڑی، پتھر وغیرہ کوئی چیز اپنے کام میں لانا درست نہیں، چاہے کتنی ہی نکمی ہو گئی۔ اسے بیچ کر مسجد کے ہی خرچ میں لگا دینا چاہیے۔

(بہشتی زیور مدلل: ص ۲۵۸)

۴۸: مسجد کے فنڈ سے جنازے کی چارپائی خریدنا

مسجد کے فنڈ سے جنازے کی چارپائی خریدنا درست نہیں۔

في الفتاوى الهندية : ۴۶۲/۲

ليس لقيم المسجد أن يشتري جنازة وإن ذكر الواقف أن القيم يشتري جنازة، كذا في السراجية. (ومثله في فتاوى محمودية : ۱۵۸/۲۲، دار الاشاعت)

۴۹: مسجد کے فنڈ سے حساب کرنے والی کی اجرت دینا

مسجد کے فنڈ سے (مسجد کا) حساب کرنے والے کی اجرت دینا درست نہیں۔

في الفتاوى الهندية : ۴۶۱/۲

ومتولي المسجد إذا تعذر عليه الحساب بسبب أنه أمي فاستأجر من يكتب له ذلك بمال المسجد لا يجوز له، كذا في الذخيرة.

۵۰: مسجد کی تعمیر کے لیے دیا ہوا چندہ کہاں خرچ ہو گا؟

مسجد کی تعمیر کے لیے دیا ہوا چندہ عمارت بنانے اور پلستر میں خرچ ہو گا، مسجد کی آرائش میں خرچ کرنا درست نہیں۔ اور اگر مصالح مسجد کے لیے دیا ہو تو لائٹ اور چٹائیوں پر خرچ کرنا بھی درست ہے۔

في الفتاوى الهندية : ۴۶۱/۲ ، ۴۶۲

ولو وقف على عمارته يصرف إلى بنائه وتطيينه دون تزيينه ولو قال: على مصالحه يجوز في دهنه وبواريه أيضا، كذا في خزانة المفتين.

في فتح القدير : ۲۴۱/۶

وله أن يبني على باب المسجد ظلة لدفع أذى المطر عن الباب من مال الوقف إن كان على مصالح المسجد، وإن كان على عمارته أو ترميمه فلا يصح، والأصح ما قاله ظهير الدين أن الوقف على عمارة المسجد ومصالح المسجد سواء. وإذا كان على عمارة المسجد لا يشتري منه الزيت والحصير ولا يصرف منه للزينة والشرفات، ويضمن إن فعل.

۵۱: مسجد نے نقش و نگار پر خرچ کرنا

جو مال مسجد کے لیے وقف یا اس کی آمدنی ہے اس میں اس طرح کی فضول خرچی (یعنی نقش و نگار) جائز نہیں۔ مال وقف صرف بنائے مسجد یا اس کی اصلاح واستحکام میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ اگر متولی نے مسجد کا مال اس میں خرچ کیا تو ضامن ہو گا۔ اگر کوئی اپنی کمائی سے کرنا چاہے تو محراب اور جدارِ قبلہ کے علاوہ جگہ پر مباح ہے۔ یعنی نقش کرنے میں کوئی ثواب نہیں، اور نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ لہٰذا اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۴/ ۱۰۶، ۱۰۷)

۵۲: مسجد سادہ اور مضبوط بنائی جائے

مساجد کو سادہ اور مستحکم بنانے پر اکتفاء کریں۔ ان سب زوائد (نقش و نگار) کو حذف کر دیں۔ جس قدر اس میں خرچ کرنا ہو، مصلحت یہ ہے کہ اول اس کی کوئی جائیداد یا دوکان وغیرہ خرید کر اس کے مصارف کے لیے وقف کر دیں۔ اور بعض لوگوں کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بنائے مسجد نبوی اور اس میں ساج وغیرہ کے نقش کرنے کے قصے کو دلیل میں پیش کرنا اور مصلحت اعزاز ورفعت دین کو دلیل عقلی میں پیش کرنا محض ناکافی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس قدر تکلف نہیں فرمایا تھا۔ نہ ان کی نیت میں تفاخر تھا، نہ مشتبہ مال اس میں لگایا۔ ان کے قصے پر اپنے فعل کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اور دین کا اعزاز وترفع ایسے امور سے نہیں ہوتا، بلکہ سادگی میں اس کا حسن اور دوبالا ہوجاتا ہے۔ حضرت عمر کا ارشاد: نحن قوم أعزنا الله بالإسلا م (ہم ایسی قوم ہیں کہ عزت دی ہم کو خدا نے اسلام کے سبب) آب زر سے لکھ کر حرز جان بنانے کے قابل ہے۔ اسی طرح مساجد بہت پاس پاس بنانا بالخصوص تفاخر وتزاحم کے لیے بھی بالکل دین اور عقل کے خلاف ہے۔ (اصلاح الرسوم :ص۱۳۹) لفظ قول عمر رضي الله عنه : إنا كنا أذل قوم فأعزنا الله بالإسلام ، فمهما نطلب العزة بغير ما أعزنا الله به أذلنا الله . (مستدرك حاكم : ۱/۱۳۰ ، ۲۰۷ ، صححه الحاكم والذهبي)

۵۳: مد زکاۃ سے دوسری مد کے لیے قرض لینا

مد زکاۃ سے رقم دوسری مد میں قرض لینے کا حکم: مد زکاۃ میں سے قرض لے کر دوسری مد میں خرچ کرنا اس طور پر کہ بعد وصول رقم مد زکاۃ میں شامل کر دی جائے گی جائز ہے یا نہیں؟ یہ بھی باذن معطین درست ہے۔ (امداد الفتاوی: ۲/۴۷،۴۸) اگر تملیک کی کوئی درست صورت اختیار کرلی گئی ہو تو پھر معطین کی اجازت کی شرط نہیں رہے گی۔ تملیک کی تفصیل آگے آتی ہے۔

في فيض الباري : ۱۴۳/۳

ولذا أفتيت أصحاب المدارس أن يصرفوا مال الزكاة الذي عندهم في غير مصارفها دينا عليهم . فإذا جاء عندهم مال في ذلك المصرف يؤدوه عما صرفوه من مال الزكاة .

۵۴،۵۵: مدرسے کے چندے سے مہمان کو کھانا کھلانا، چندے میں سے مخصوص حصے پر چندہ اکٹھا کرنا

مدرسے کے چندہ سے مہمان کو کھانا کھلانا، چندے میں سے مخصوص حصے پر چندہ اکٹھا کرنا: ”مدرسہ میں جو چندہ آتا ہے اس سے مہمان کو کھانا کھلانا جائز نہیں، (مہمان کو تحفہ دینے کا بھی یہی حکم ہے۔) کیونکہ دینے والے کی غرض تو مصارف مدرسہ میں صرف کرنے کی ہوتی ہے اور یہ اس میں داخل نہیں اور مہتمم صرف امین اور وکیل ہوتا ہے، مالک نہیں ہوتا جس طرح چاہے تصرف کرے۔ احقر نے عرض کیا چندہ میں سے ثلث لے کر چندہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا نہیں۔ احقر نے کہا حدیث سرایا سے بعض لوگوں نے تمسک کیا ہے۔ فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ، اجرت کو غیر اجرت پر قیاس کر لیا۔ وہاں تو امیر عامہ کو لشکر پر حسب مصلحت تقسیم کرنے کا حق ہے اور خود مال مباح ہے، اور یہاں قفیز طحان کے علاوہ جہالت اجرت کا فساد موجود ہے“۔

(ملفوظات حکیم الامت:۲۶/۱۰۷) نیز دیکھیے: خیر الفتاوی:۶/۲۹۴۔

۵۶: ریاء اور فخر کے طور پر دیا ہوا چندہ مسجد میں خرچ کرنا

ریاء اور فخر کے طور پر دیا ہوا چندہ مسجد میں خرچ کرنا درست ہے، لیکن دینے والے کو ثواب نہیں ملے گا۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند:۱۳/۵۱۵)

۵۷: لاؤڈ اسپیکر لگا کر چندہ مانگنا

لاؤڈ سپیکر لگا کر چندہ مانگنا درست نہیں۔(خیر الفتاوی:۶ /۶۹۵،۶۹۶) اس میں دین اور اہل دین کی سخت ذلت ہے۔اور یہ بھیک مانگنے کے مترادف ہے۔

۵۸:مدرسے کے فنڈ سے خریدی ہوئی چیز کا حکم

اگر مدرسے کے فنڈ سے کوئی چیز خریدی جائے گی تو وہ وقف علی المدرستہ ہو جائے گی۔ کیونکہ مدرسہ کے لیے کوئی شے خریدنا اس شے کو مدرسہ سے ملحق کرنا ہے ،اور الحاق بالموقوف وقف ہے ، لیکن موقوف اور ملحق بالموقوف میں بعض احکام میں فرق ہے۔

(مأخذہ:امداد الاحکام:۳/۲۶۱)

۵۹-۶۰-۶۱:حیلہ تملیک

۵۹-حیلہ تملیک: زکاۃ وغیرہ صدقات واجبہ کی جو رقوم آتی ہیں ان میں اصل حکم یہ ہے کہ مصارف زکاۃ میں سے کسی کو، بلامعاوضہ مالک بنا کر دیدی جائیں۔ لیکن بسا اوقات نفلی صدقات کی مد میں اتنی رقم نہیں ہوتی کہ ادارے کی سب ضروریات ان سے پوری ہو سکیں اور زکاۃ وغیرہ کا روپیہ ان پر براہ راست خرچ نہیں ہو سکتا۔ مثلا مدرسے کی عمارت ، ملازمین کی تنخواہیں وغیرہ ایسی مدات ہیں کہ ان پر واجب صدقہ کی رقم خرچ نہیں کی جاسکتی۔اس موقع پر حیلہ تملیک کیا جاتا ہے۔اس کی ایک رائج شکل یہ ہے کہ مثلاکسی طالب علم سے کہا جائے کہ یہ زکاۃ کی رقم ہے۔اسے تم لے کر مدرسے میں دیدو۔یہ طریقہ درست نہیں۔اور اس سے دینے والے کی زکاۃ ادا نہیں ہوتی۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بعضی رقوم جو واجب التملیک مدرسہ میں آتی ہیں اور ضرورت ہوتی مدرسہ کے مدات غیر واجب التملیک میں، تو اس میں ایک حیلہ تملیک کا کیا جاتا ہے جو سب کو معلوم ہے۔(یعنی ایک غریب شخص سے کہا جاتا ہے کہ زکاۃ پر قبضہ کرکے مدرسے میں دے دو)۔ لیکن چونکہ جانبین کو معلوم ہے کہ

اس میں تملیک حقیقتا ہرگز مقصود نہیں، جس کا ایک امتحان بھی ہے کہ اگر وہ مسکین بعد قبضہ کے پھر داخل مدرسہ نہ کرے تو اس وقت دیکھیے کس قدر بے لطفی وبدمزگی ہوتی ہے۔ بلکہ عجب نہیں کہ اس سے چھین لیا جاوے یا تمام عمر کے لیے اس کی صورت سے بیزار ہو جاویں۔ تو اگر وہ تملیک حقیقی تھی تو پھر اس جبر کے کیا معنی؟ اور اگر تملیک نہیں تو واجب یعنی زکاۃ وغیرہ ادا نہیں ہوا۔ تو معطی نے مہتمم کو امین سمجھ کر وہ رقم اس کے سپرد کی اور اس نے اس طرح اس کو ضائع کیا۔ (پس جب امانت تعدی سے ضائع ہوئی تو مہتمم پر اس کا ضمان ہے)۔

۶۰-(حیلہ تملیک کا پہلا طریقہ): اگر مدات غیر واجب التملیک ہی میں صرف کرنا ہو تو اس کی ایک صورت اس سے بہتر ہے۔ گو وہ بھی خلوص کے خلاف ہے، مگر قواعد کے خلاف نہیں۔ وہ یہ کہ کسی مسکین کو مشورہ دیا جائے کہ وہ مثلا بیس پچیس روپے کسی سے قرض لے کر مدرسہ کے اس مد ضروری الوقت میں تبرعا دیدے۔ اور پھر مہتمم وہ رقم واجب التملیک اس مسکین کو بتملیک حقیقی بغرض اعانت ادائے قرض کے دیدے۔ پھر قرض خواہ اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے اور اگر نہ دے تو اس سے چھین لینا جائز ہے۔

(حقوق العلم: ص۸۳، ۸۴)

في الدر مع الرد : ۳۴۵/۲ ، ۳۴۶

الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر نعم .

(قوله: والظاهر نعم) البحث لصاحب النهر وقال؛ لأنه مقتضى صحة التمليك. قال الرحمتي: والظاهر أنه لا شبهة فيه؛ لأن ملكه إياه زكاة ماله، وشرط عليه شرطا فاسدا ، والهبة والصدقة لا يفسدان بالشرط الفاسد .

۶۱- پانچ سو (روپے) غریب کو دیے گئے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ ۲۵ روپے رکھ کر ۴۷۵ روپے مسجد میں دے دے۔ اس زور ودباؤ سے اس نے دے دیے تو یہ تملیک بھی برائے نام ہوئی، واقعی

تملیک اس وقت ہوتی ہے جب اس غریب کو پورا اختیار رہتا اور وہ اپنی خوشی سے مسجد میں دیتا۔اس لیے معطی کی زکاۃ ادا نہیں ہوئی۔

(فتاوی محمودیہ:۲۲/۳۱۶،۳۱۷،فاروقیہ)

۶۲: حیلہ تملیک کا دوسرا طریقہ

حیلہ تملیک کا دوسرا طریقہ: مدرسے کے (نابالغ) بچے اگر غریب ہیں اور (ان کے والد بھی مستحق زکاۃ ہیں)،تو ان بچوں کو بطور وظیفہ کے زکاۃ کا پیسہ دیدیا جائے جس سے زکاۃ ادا ہو جائے، پھر ان کے اولیاء سے کہا جائے کہ وہ اس بچے کی فیس مدرسہ میں داخل کر دیں اور وہ پیسہ بچوں سے لے کر فیس دیدیں۔بچے اگر بالغ ہوں تو خود ان سے بھی فیس میں وہ پیسہ لینا درست ہے۔اولیاء کا واسطہ واجازت بھی ضروری نہیں۔

(فتاوی محمودیہ:۱۵/۵۴۹،۵۵۰،فاروقیہ)

۶۳: حیلہ تملیک کا تیسرا طریقہ

حیلہ تملیک کا تیسرا طریقہ: داخلہ فارم پر وکالت نامہ: مستحق زکاۃ طلباء(یعنی غیر ہاشمی بالغ فقیر یا نابالغ سمجھدار جو خود اور اس کا والد فقیر ہوں) مہتمم مدرسہ کو زکاۃ وصدقات واجبہ وصول کرنے اور مصارف مدرسہ میں خرچ کرنے کا اپنی طرف سے وکیل بنادیں۔(علمی وتحقیقی رسائل:۱/۱۶۶)اس کی صورت یہ ہے کہ داخلہ فارم پر درج ذیل عبارت لکھی جائے: تاقیام مدرسہ ہذا میری طرف سے صدر مدرسہ یا جس کو وہ اجازت دیں اس کا اختیار ہوگا کہ زکاۃ وغیرہ کی رقم یا اشیاء وصول کرکے طلباء کی ضروریات طعام وقیام وتعلیم وغیرہ میں حسب صوابدید خرچ کریں یا مدرسہ پر وقف کریں۔(مصدر سابق:۱/۱۶۸) مگر اس پر وہی طلباء دستخط کریں جو مستحق زکاۃ ہوں۔اس طرح روز کے روز اموال زکاۃ وصدقات واجبہ عطیات سے تبدیل ہوتے رہیں گے۔ طلباء کی ملک میں آنے اور مہتمم صاحب کے

مدرسہ کو عطیہ کرنے کے بعد ان کی ملک سے نکلتے رہیں گے اور کسی طالب علم کو مطالبے کا حق نہیں رہے گا اور ان کی ملک میں مال جمع نہ ہونے کی وجہ سے کوئی طالب علم غنی نہیں ہو گا۔ (ایضا)

۶۴: حیلہ تملیک کی مزید تفصیل

حیلہ تملیک سے متعلق مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

چند اہم عصری مسائل: ۲/ ۱۹۲–۱۹۷، دار الافتاء دار العلوم دیوبند، علمی و تحقیقی رسائل: ۱/ ۱۲۳– ۲۱۶، ادارہ غفران

۶۵: حیلے کے بارے میں عمومی اصول

یہ ساری صورتیں بالآخر حیلہ ہی ہیں۔ اور حیلے کے بارے میں عمومی اصول یہ ہے کہ "جس حیلہ سے کسی حکمت شرعیہ وغرض شرعی کا ابطال مقصود ہو وہ حرام ہے، اور جس میں یہ نہ ہو بلکہ کسی امر مطلوب شرعی کی تحصیل مقصود ہو وہ جائز ہے۔ اور جزئیات کا انطباق اس قاعدہ کلیہ پر محتاج ہے تبحر و تفقہ کا"۔ (بیان القرآن: ۳/ ۱۷۷۰) لہذا بوقت ضرورت بقدر ضرورت کی حد تک حیلہ کرنا چاہیے ۔ اور حیلے کے بعد بھی کوشش ہونی چاہیے کہ تملیک شدہ رقوم ایسی مد میں خرچ ہوں جن کا نفع براہ راست غریب طلبہ کو پہنچے۔ جیسے ان کے کھانے، رہائش وغیرہ پر۔ حضرت مفتی محمود اشرف عثمانی رحمہ اللہ نے حدیث شریف کے سبق میں یہ بات ارشاد فرمائی تھی۔

۳: مسجد اور مدرسے کی اشیاء کی حفاظت اور نگہداشت کا مرحلہ

۶۶: مسجد اور مدرسے کی چیزیں امانت ہیں

مسجد اور مدرسے کی اشیاء انتظامیہ کے پاس امانت ہوتی ہیں، لہذا ان کی حفاظت کا پورا اہتمام کرنا ضروری ہے۔ انتظامیہ کی طرف سے اگر حفاظت کا پورا بندوبست نہ ہوا اور کوئی چیز ضائع ہوگئی تو اس کا ضمان دینا پڑے گا۔ سب چیزوں کا تحریری ریکارڈ رکھنا چاہیے۔

۶۷: مہتمم سے مال زکاۃ ضائع ہوگیا

مہتمم سے مال زکاۃ ضائع ہوگیا، تو اگر باوجود حفاظت کی پوری سعی وانتظام کے ایسا ہو جائے تو ضمان لازم نہیں۔

(فتاوی محمودیہ: ۹/ ۵۱۲، ۵۱۳، فاروقیہ)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

خیر الفتاوی: ۶/ ۳۴۸، ۳۴۹

۶۸: اپنے ماتحتوں کے کام سپرد کر دینا کافی نہیں، نگرانی ضروری ہے

ایک اہم بات یہ ہے کہ کوئی کام اپنے ماتحتوں کے سپرد کر دینا کافی نہیں، بلکہ اس کے بعد ان کی نگرانی کرنا بھی ضروری ہے کہ وہ کام انھوں نے کیا ہے یا نہیں؟ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کے تقوی کا یہ عالم تھا کہ آخر زمانہ خلافت میں کام چونکہ بہت بڑھ گیا تھا، آپ نے خاص خاص حضرات صحابہ کو جمع کر کے مشورہ لیا کہ کام بہت بڑھ گیا ہے۔ مجھے دوسروں سے مدد لینا پڑتی ہے، اور اپنے نزدیک میں کام انھیں کے سپرد کرتا ہوں جن کو میں اہل سمجھتا ہوں تو کیا ایسوں کے کام سپرد کر دینے کے بعد میں بری الذمہ ہو جاؤں گا یا اس کی بھی ضرورت ہے کہ میں بعد کو

یہ بھی دیکھوں کہ ان لوگوں نے کام کیا بھی یا نہیں؟ سب نے جواب کے لیے مہلت مانگی اور اس مہلت میں جمع ہو کر مشورہ کیا اور باتفاق رائے کہا کہ کام کا دوسروں کے محض سپرد کر دینا کافی نہیں، بلکہ خود دیکھنا بھی ضروری ہے کہ آیا وہ کام کیا گیا یا نہیں؟

(ملفوظات حکیم الامت:۱۰/۱۰۷)

۶۹: مسجد اور مدرسے کی آمدنی خرچ کا ریکارڈ

مسجد اور مدرسے کی آمدنی اور خرچ کا سارا ریکارڈ تحریری طور پر محفوظ رکھنا چاہیے۔ ایسے ہی مسجد اور مدرسے کی اشیاء کی فہرست الگ الگ بنا کر رکھنی چاہیے تاکہ پتہ رہے کونسی چیز مسجد کی ہے اور کونسی مدرسے کی ہے۔ اور اسی کے لحاظ سے ان چیزوں کو برتا جاسکے۔ تحریری ریکارڈ رکھنے کا طریقہ معلوم کرنے کے لیے حضرت مولانا رشید اشرف سیفی کا رسالہ "مدارس اور مالیات" مطالعہ فرمائیں۔ یہ مکتبہ دار العلوم کراچی سے مطبوع ہے۔ ان سب احکام پر عمل کرنے کی بنیاد اللہ تعالی کی خشیت اور آخرت کی جوابدہی کی فکر ہے، اسے بھی اپنے دل میں پیدا کرنے کی تدابیر اختیار کرنی چاہیں۔ اور نئ پیش آنے والی صورتوں کے احکام کسی مستند دار الافتاء سے معلوم کرتے رہنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب